شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کی خدمات اور اُن کے سماجی اثرات

Services of Shah Muhammad Sulaiman Tunsuwai and their social impact

ڈاکٹر سعدیہ نورین[1] پروفیسر ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس[2] محمد امیر حمزہ[3]

ABSTRACT:
In Subcontinent of Pak o Hind, Muslim shrines have traditionally been maintained by hereditary saints. A number of prominent Chishti Sufis spread the teachings of Islam in subcontinent. One of them is Muhammad SulemanTaunsvi who was a great Sufi, saint and scholar within the Chishti order. He was born to the Jafar Pakhtun tribe of Darug, Loralai. His shrine lies in Taunsa of district Dera Ghazi Khan. His aspiration toward a universal kindness to all creatures beyond the requirements of Islamic teachings has added a distinctly hypersomnia dimension to the moral vision of Islam-There is a growing need to explore the role of Suleman Taunsvi and his teachings which, through social movements, have contributed to, and continue to influence, human resource development at various levels individual, group, organization, community, nation, and international. Dargah-e-Suleman Taunsvi has felt that the organization of the shrines has been incompatible with their political, social, moral and religious goals. This article examines how the Suleman Taunsvi and his successors not only have established a peaceful society, aimed at direct see the right path to the people; they have also attempted to present a harmless society concerning the significance of the saints which though drawing on the Sufi tradition, diverges sharply from many popular beliefs.

Keywords: Muhammad SulemanTaunsvi, Chishti Sufis, organization of the shrines.

شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کی ولادت 1183ھ بمطابق 1764ء میں کوہستان گڑھ گوجی میں ہوئی۔ آپ کے والد گرامی کا نام زکریا تھا۔ جو کہ افغانوں کے قبیلہ جعفریہ کے سردار تھے[1]۔ اپنے ملفوظات عالیہ میں آپ خود فرماتے ہیں کہ:

"خانہ خود کہ در دہ است و اسم آں گڑ گوچی است کہ مسافت از تونسہ سہ کرد و می شود۔"[2]

ترجمہ: آپ کا گھر گڑ گوچی میں ہے جو کہ تونسہ سے تین کوس کے فاصلے پر ہے۔

آپ کا نسب نامہ اس طرح سے مذکور ہے کہ: "زکریا بن عبد الوھاب بن عمر بن خان محمد۔"[3]

حصولِ تعلیم و تربیت:

بچپن میں ہی والد کا سایہ شفقت سر سے اُٹھ گیا مگر سعادت مند اور ولیہ ماں کا سایہ اس اقبال بلند بیٹے کی تعلیم و تربیت کے لیے سنگ میل ثابت ہوا۔ حفظ کلام الٰہی کے لیے انہوں نے شاہ صاحب کو ملا یوسف جعفر کے سپرد کیا۔ پہلے پندرہ سیپارے اُن کے پاس پڑھے اور پھر باقی کلام مجید

[1] Lecturer, Govt. Sadiq College Women University, Bahawalpur.
[2] Professor, Govt. College University, Faisalabad
[3] Lecturer, Govt. Molana Muhammad Zakir Associate College, Ameenpur Bangla

اپنے ہم قوم حاجی صاحب کے پاس پڑھے۔ چند فارسی کے رسالے بھی ان کے پاس پڑھے اور پھر میاں حسن علی کے پاس تونسہ آ گئے جہاں فارسی نظم و نثر کی کتب پڑھیں۔ پھر لانگھ کے مقام پر میاں ولی محمد صاحب کے پاس گئے یہ مقام دریائے سندھ کے پاس واقعہ ہے۔ پھر کوٹ مٹھن میں خواجہ محمد عاقلؒ کے پاس گئے وہاں کے دارالعلوم میں علومِ دینیہ میں منطق اور فقہ کی کتابیں پڑھیں۔ تصوف کی بعض کتابیں جیسے آداب الطالبین، فقرات، عشرۃ کاملہ اور فصوص الحکم وغیرہ خواجہ نور محمد مہاروی کے پاس پڑھیں۔[4]

شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کے متعلق خواجہ فخر الدین دہلویؒ نے اپنے مرید خواجہ نور محمد مہارویؒ کو پہلے ہی بشارت دی تھی چنانچہ اُس شہباز سلیمانی کی تلاش میں خواجہ نور محمدؒ خود کوٹ مٹھن اکثر تشریف لاتے۔ آخر کار جب شاہ سلیمان تونسویؒ کی اپنے شیخ سے ملاقات ہوئی تو حضرت جلال الدین سُرخ پوش بخاریؒ کے پاس اوچ شریف میں لے جا کر بیعت کیا اور پھر فرمایا کہ:

"ایں طفلک در دریافت کردن و گرفتن چیزے از ما مارا متعجب و حیران گرداینده حق تعالیٰ ایں راچه وسیع وپُر حوصلہ نموده کہ ہر چیز بگیر واستعداد و قابلیت فوق آں داشتہ باشد۔"[5]

ترجمہ:　　اس لڑکے نے روحانی اسرار و نعمت الٰہی کے حاصل کرنے میں ہم کو متعجب و حیران کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس قدر اس کو وسیع حوصلہ بنایا ہے کہ جو کچھ حاصل کرتا ہے اس کی استعداد و قابلیت اس سے کئی درجہ بڑھ کر ہوتی ہے۔

آپ 15، 16 سال کی عمر میں خواجہ مہاروی کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے اور 6 برس تک خوب شیخ کی صحبت کا فیض اُٹھایا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

"مارا صحبت ظاہری حضرت قبلہ عالم شش سال یا کم بود۔"[6]

ترجمہ:　　ہمیں قبلہ عالم کی صحبت چھ سال یا اس سے بھی کم میسر آئی۔

چنانچہ 21 سال کی عمر میں خرقہ حاصل کر کے مسند ارشاد و تلقین پر فائز ہوئے اور تقریباً ٦٠ برس تک تونسہ میں اس مسند پر فائز رہے۔

ماہ صفر 1267ھ کا چاند دیکھ کر فرمایا کہ یہ صفر ہمارے سفر کا مہینہ ہے۔ خُدا خیر کرے۔ کچھ دن بعد زکام کی شکایت ہوئی اور سات صفر المظفر کو فلک رشد و ہدایت و فقر و غناء کا یہ خورشید ناطق بظاہر تو غروب ہو گیا مگر اپنے خلفاء متعلقین و متوسلین اور متبعین کی بدولت آج بھی آسمانِ ولایت پر زندہ و جاوید ہے۔

سماجی خدمات:

سلسلہ چشتیہ کی نشاۃ ثانیہ کا جو سلسلہ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ نے دہلی میں شروع کیا وہ خواجہ نور محمد مہارویؒ کی وساطت سے پنجاب اور پھر شاہ سلیمان تونسویؒ کے ذریعے تونسہ بلوچستان اور افغانستان کے باڈر تک جا پہنچا۔ شاہ سلیمان تونسویؒ کا چونکہ آبائی وطن بلوچستان اور وطن سکونت پنجاب تھا چنانچہ ان دونوں علاقوں میں ان کا فیضان ہر خاص و عام تک پہنچا۔ معاشرتی رویوں کی اصلاح میں شاہ صاحب کا ایک مثالی کردار ہے۔ شاہ صاحب کو جو دور میسر آیا اس میں معاشرتی اعتبار سے درج ذیل چیلنجز کا سامنا تھا:

1:　　بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاشی عروج کی وجہ سے آخر انگریزوں کا تسلط پورے برصغیر میں قائم ہوا اور انگریز حکومت قائم ہو چکی

تھی،اس صورتِ حال کے پیش نظر مسلمانوں کو حکومتی زوال کے بعد اپنی شناخت تک قائم رکھنا مشکل نظر آرہا تھا۔

2: معاشرے کے کچھ لوگ ایسے تھے جو انگریز سرکار کے مفادات میں قتل وغارت گری کو انتہا تک لے جا چکے تھے جن میں خاص طور پر پنجاب کی سکھ قوم اور جاٹ قوم کے مظالم شامل ہیں۔

3: مذہبی طور پر ہندومت کے عقائد باطلہ کی ایک چھاپ مسلمانوں کے عقائد میں نظر آنے لگی۔ چنانچہ یہ بات ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی کہ مسلمانوں میں مروجہ ہندومت کے عقائد باطلہ اور رسومات بد کا بطلان کرتے ہوئے اصلاح کی جائے اور ساتھ ساتھ بین المذاہب ہم آہنگی کو اس طرح فروغ دیا جائے کہ اسلام کا اصل پیغام تمام تر مذاہب تک پہنچ سکے۔

اسی زمانے میں سید احمد شہید بریلویؒ اپنی تحریک کو چلانے میں مصروف عمل تھے۔ اور شاہ سلیمان تونسوی جیسے سپوت محراب ومنبر، درس وتدریس تبلیغی خانقاہوں اور مسند ارشاد میں بطور داعی وراہنما سرگرم عمل نظر آتے ہیں۔ آپ سے خلافت وخرقہ اور تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے بعد برصغیر کے گوشہ گوشہ میں خلفاء نے معاشرتی اصلاح کا کام کیا جن میں سیال شریف، گولڑہ، جلال پور، حیدر آباد، راجپوتانہ، جزیرہ سراندیپ، عدن، بلوچستان اور ترکستان تک مشائخ نے شمعیں روشن کیں۔ آپ ہی کے توسط سے تونسہ اور سنگھڑ کا غیر معروف اور غیر آباد علاقہ علم وعرفان کی ایک ایسی خانقاہ کی حیثیت حاصل کر گیا کہ لوگ میلوں کا فاصلہ طے کر کے رشد وہدایت کا سامان کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوئے۔ ذیل میں ہم شاہ صاحب کی خدمات کا ایک جائزہ پیش کرتے ہیں۔

علمی وتدریسی خدمات

تونسہ میں خانقاہ کا قیام:

اپنے مرشد خواجہ نور محمدؒ مہاروی کے حکم پر آپؒ نے اپنے آبائی علاقہ گڑگوجی کو چھوڑ کر تونسہ میں سکونت اختیار کی اور یہاں خانقاہ قائم کی۔ یہاں آپ ایک جھونپڑی میں عبادت میں مشغول ہوگئے۔ جب علاقہ کا رئیس آپ کے حلقہ احباب میں شامل ہوا تو اُس نے ایک گھر بنا کر دیا جس کو آپ نے خانقاہ کے لیے وقف کر کے نظامِ خانقاہی کی بنیاد رکھی۔ رفتہ رفتہ لوگ جوق در جوق آپ کی شہرت کی وجہ سے فیض یاب ہونے کے لیے آتے گئے۔ آپ نے وہاں ایک وسیع وعریض لنگر خانے کا انتظام کر کے ایک مسافر خانہ بنوایا اور ساتھ ہی تونسہ میں ایک بلند مرتبہ درسگاہ کا قیام فرمایا پھر آپ نے وہاں ایک مسجد قائم کی اور رفتہ رفتہ تونسہ جو کہ ڈیرہ غازی خاں سے ۳۰ کوس کے فاصلے پر ہے اُس جگہ ایک شہر آباد کیا۔

دارالعلوم کا قیام اور اس کے خواص:

شاہ صاحب کو درس وتدریس سے بے انتہا لگاؤ تھا۔ چنانچہ معاشرے کی اہم ضرورتوں کے پیش نظر آپ نے مفت تعلیمی نظام کے تحت ایک ایسی درسگاہ قائم کی کہ جس سے تحصیل علم کے بعد لوگ عصری اور نقلی علوم میں جامع المعقول والمنقول بن کر نکلتے آپ نے جو دارالعلوم قائم کیا وہ اپنی مثال آپ ایک یونیورسٹی کا درجہ رکھتا تھا۔ اس دارالعلوم میں علومِ ظاہریہ وباطنیہ، اور علوم عصریہ کا انتظام اس طرح سے تھا کہ ایک وقت تقریباً دوہزار کے قریب مقیم طلباء کے لیے رہائش اور کھانے پینے کا بندوبست تھا۔ اور ایک وقت میں 500 علماء بھی اس درسگاہ میں تدریس اور شیخ سے کسب فیض کے لیے موجود ہوتے۔

اس درسگاہ کے نصاب میں فارسی کتب، کریما سعدی، گلستان و بوستان کے بعد منطق، فلسفہ، قطبی ہدایہ، شرح وقایہ اور حدیث و تفسیر کے باقی علوم کے لیے ایک وسیع ترین لائبریری قائم کی گئی شاہ صاحب خود حدیث اور تصوف کی کتب کا درس دیتے چنانچہ احیاء العلوم، فتوحاتِ مکیہ، فصوص الحکم، مشکوٰۃ، بخاری، جلالین، بیضاوی وغیرھم کا درس شاہ صاحب خود ارشاد فرماتے۔ شاہ صاحب کا تبحر علمی ایک بحر بیکراں تھا۔ قرآن و حدیث اور فقہ پر عبور کے ساتھ ساتھ اُن کے ملفوظات میں جگہ جگہ عوارف المعارف اور فتوحات مکیہ نوک زبان پر ہوتیں۔ شیخ اکبر محی الدینؒ ابن عربی کے بعد سے جن افکار میں آپ نے متابعت اختیار کی ان میں مسئلہ وحدت الوجود بھی شامل ہے۔ حدیث و فقہ میں جب بھی کوئی عالم آپ سے مسئلہ دریافت کرتا تو اس میں برجستہ اسناد نقل کر کے جواب ارشاد فرماتے۔ آپ کا فرمان ہے کہ:

فہم حدیث بغیر مجتہد کسی رانیست مارا عمل بر قول مجتہد است نہ بر قول محدث۔[7]

ترجمہ: فہم حدیث مجتہد کے بغیر ممکن نہیں اور ہمارا عمل قول مجتہد پر ہے نہ کہ قول محدث پر۔

مسائل عصریہ کے حل کے لیے فقہ اسلامی کی طرف رجوع کرتے اور فقہ اسلامی کے مطالعہ پر زور دیتے۔ چنانچہ ایک مجلس میں ایک عالم نے بہت سے مسائل کا حل چاہا تو آپؒ نے برجستہ جوابات ارشاد فرمائے، حافظ جمال ملتانیؒ کے شاگرد و خلیفہ مولانا عبد الغفار نے اُن کو لکھ کر ایک رسالہ کی شکل دی جس کا ایک حصہ خاتم سلیمانی کتب میں منقول ہے۔ احیاء العلوم اور فتوحات مکیہ کے علاوہ کنز الدقائق اور قافیہ بھی پڑھاتے چنانچہ حاجی چراغ الدین نے کنز اور قافیہ انہیں سے پڑھا۔[8]

شاہ سلیمان تونسویؒ نے خانقاہی نظام میں احیاء اور جدت کے ساتھ اوقات کی پابندی کو ملحوظ رکھتے ہوئے خانقاہی نظام کو مزید منظم کیا۔ چنانچہ مغرب کی نماز کے بعد ذکر بالجہر میں مشغول ہوتے۔ ذکر سے فراغت کے بعد حاضری کی اجازت ہوتی۔ پھر رات کا کھانا نوش فرماتے اور باجماعت نماز عشاء پڑھتے۔ اس کے بعد حجرہ میں چلے جاتے اور پھر تہجد کے وقت تشریف لاتے۔ تہجد کے اوقات میں پھر ذکر بالجہر میں مشغول ہو جاتے۔ فجر کی نماز کے بعد عام مجلس شروع ہوتی اور پھر درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ پھر کچھ وقت قیلولہ کر کے نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد تلاوت کلام پاک میں مشغول رہتے اور عصر تک یہی مصروفیت ہوتی۔ پھر عصر سے مغرب تک مسجد میں ہی مقیم رہتے۔ اور سفر و حضر کی کیفیات میں بھی معمولات میں فرق نہ آنے دیتے۔[9]

شاہ صاحب کا لنگر خانہ:

شاہ محمد سلیمانؒ تونسوی کا لنگر خانہ نہایت وسیع تھا۔ اس میں کھانے کے علاوہ طلباء کو ہر قسم کی سہولتیں فراہم کی جاتی تھیں لنگر کے اہتمام کے لیے ایک پورا محکمہ تھا پیارا نامی لانگری مقرر تھا۔ میاں علی محمد ہوتانی کی بھی لنگر خانے میں ڈیوٹی ہوتی تھی۔ منشی گری کا عہدہ صدیق محمد کاسبی کو ملا ہوا تھا۔ لنگر میں کھانے کے علاوہ ضرورت کی ہر چیز موجود ہوتی تھی۔ مثلاً حجام، موچی، دھوبی، آب کش وغیرہ ماہانہ تنخواہ پاتے تھے۔ بیمار ہوتے تو دوائیں لنگر خانے سے مفت ملتی تھیں۔ ایک مرتبہ ایک لانگری نے عرض کی کہ حضرت اس دفعہ پانچ سو روپے دواؤں کے سلسلہ میں درج ہے تو آپ نہایت جلال میں آگئے اور فرمایا کہ پانچ ہزار بھی ہو تو انسانی جان سے قیمتی نہیں۔ لنگر کا یہ قاعدہ تھا کہ ہر درویش کو تین پاؤ پختہ روٹی ملا کرتی تھی۔ چھ ماہ بعد کپڑے اور جوتے ملتے تھے۔ علاوہ ازیں ایک سیر تیل اور گھی بھی ملتا تھا۔ خواجہ صاحب کے لنگر کی حیثیت بہت ہمہ گیر تھی۔ یہ بات

قابل لحاظ ہے کہ آپ کے لنگر خانے میں زیادہ تر علماء اور مدرسین شامل تھے۔ خواجہ صاحب ان سب کو تمام ضروریاتِ زندگی سے بے فکر ہو کر پوری ذہنی توجہ اور مرکزیت کے ساتھ درس و تدریس میں مشغول رہنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ شاہ صاحب کا لنگر خانہ اپنی مثال آپ تھا جہاں ایک وقت میں 500 سے زائد مدرسین و مسافرین کے ساتھ ساتھ قریباً دو ہزار سے زائد طلباء کا مکمل رہائشی و طعام و قیام کا بندوبست تھا۔

برصغیر میں خانقاہی نظام میں لنگر خانے کی یہ روایت خاندانِ سلسلہ چشتیہ نے پُرزور انداز میں قائم رکھی۔ چنانچہ خواجہ نور محمد مہارویؒ کے بزرگ خواجہ فخر الدین دھلویؒ کا لنگر خانہ بہت وسیع تھا۔ پھر خواجہ محمد عاقل کا لنگر خانہ کثیر المقاصد امور سے متصف تھا۔ اسی طرح شاہ سلیمانؒ کے خلفاء نے لنگر خانے قائم کیے۔ جن میں سیال شریف، گولڑہ شریف، جلالپور شریف وغیر ھم کے لنگر خانے بالکل اسی طرز پر قائم کیے گئے جو کہ معاشرے میں ایک بہت بڑے ٹرسٹ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور یہ لنگر خانے آج بھی قائم ہیں گو کہ کچھ اصلاحات کی ضرورت ہے مگر یہ لنگر خانے آج بھی موجود ہیں۔

دعوتی و تبلیغی خدمات

شاہ سلیمانؒ معاشرتی رویوں کی اصلاح کے ضمن میں جس طبقے کو بے راہ روی اختیار کرتے ہوئے دیکھتے اُن کی اصلاح کے درپے ہو جاتے چنانچہ علماء صوفیہ خام، امراء وغیر ہم کی اصلاح کے لیے سخت رویہ اپناتے۔ جب انہوں نے علماء کی حالتِ زار کو دیکھا تو جابجا اپنے ملفوظات میں تنبیہ فرمائی کہ: فادالعالِمِ فاد العالَمِ۔[10] "یعنی ایک عالم کی گمراھی پورے عالم کی گمراہی ہے۔" پھر فرماتے ہیں کہ علماء کے علم و فضل سے بھی عوام متاثر ہوتے ہیں اور اُنکے گمراہ ہونے سے بھی عوام گمراھی کی طرف تاثر لیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

نہ در جنت تنہامی روند و نہ در دوزخ تنہا بلکہ ھر دو طرف با جماعت کثیر روانہ می شوند۔[11]

ترجمہ: علماء نہ تو جنت میں اکیلے جاتے ہیں نہ دوزخ میں بلکہ دونوں طرف ایک کثیر تعداد لوگوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوتے ہیں۔

آپؒ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ عالم اگر راہ راست پر ہو گا تو اپنے متبعین کو بھی جنت میں لے جائے گا اور اگر وہ خود گمراہی پر ہو گا تو بھی اپنے متبعین کے ساتھ دوزخ میں جائے گا۔ لہٰذا عوام کی اصلاح سے پہلے علماء کی اصلاح ضروری ہے۔ چنانچہ علماء کو تنبیہ فرماتے ہوئے اپنے علم پر عمل کرنے کی تلقین یوں فرماتے ہیں کہ: عالم رابا ید بر علم عمل کردن[12]۔ "یعنی عالم کو اپنے علم پر عمل کرنا چاہیے۔"

مزید برآں مقصود حصول علم کی طرف توجہ دلاتے ہوئے یوں کہتے ہیں کہ:

مقصود از علم، عمل و ھدایت و محبت باری تعالیٰ حاصل کردن است۔[13]

ترجمہ: علم کے حصول کا مقصد ہی یہ ہے کہ عمل اور ھدایت کے ذریعے سے محبت الٰہیہ حاصل کی جائے۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا[14] "یعنی بے شک اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے لوگ علماء ہیں۔"

صرف علماء ہی نہیں شاہ صاحب نے اس وقت نصاب تعلیم کی بھی اصلاح فرمائی کہ علماء کو کن علوم کی ترویج کی طرف توجہ دینی چاہیے اور ان علوم کو اپنی درسگاہ میں خود قائم کر کے عملاً علماء کی اصلاح فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

علم فقہ و تفسیر ضروریہ است کے دانستن فرض وواجب و سنت و مستحب و مکروہ موقوف بر علم فقہ است وباقی ہمہ علوم سر دردی است [15]

ترجمہ: علم فقہ و تفسیر لازمی ہیں کہ فرض واجب، سنت، مستحب اور مکروہ کا جاننا علم فقہ پر موقوف ہے اور باقی علوم سب سر دردی ہیں۔

علماء کو عقیدہ حق کی طرف دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

علم بغیر عمل، و عمل بغیر عقیدہ صاف کہ اہل سنت وجماعت است فائدہ ندھد۔ [16]

ترجمہ: علم بغیر عمل کے اور عمل بغیر عقیدہ صاف یعنی عقید اہل سنت وجماعت کے فائدہ مند نہیں۔

شعائر تصوف اسلامی کی ترویج:

شاہ صاحب کے دور میں تصوف اسلامی پر بھی ہندو مت اور عیسائیت کا اثر ہونا شروع ہو گیا۔ چنانچہ رہبانیت کو بھی تصوف سمجھا جانے لگا اور وظائف کو دنیاوی مقاصد کے حصول کے لیے پڑھا جانے لگا۔ شاہ صاحب خُداداد بصیرت کی بناء پر اس خطرہ سے باہم آگاہ تھے چنانچہ انہوں نے صوفیہ خام و تام کی اصلاح میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور عوارف المعارف اور فتوحاتِ مکیہ کے درس کے ساتھ ساتھ انتہائی سخت لہجے میں صوفیہ کو مخاطب کیا اور مختلف مقامات پر اصلاح کی۔ ذیل میں اس کی چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

سالک را باید کہ در عملیات تضیع وقت نہ کند کہ ایں رھزن ومانع راہِ فقر است و مقصود اصلی کہ یاد کردن حق است۔ [17]

ترجمہ: سالک کو چاہیے کہ عملیات میں وقت کو ضائع نہ کرے کہ ایسے مشغلے راہ فقر میں رکاوٹیں ہیں اور اصل مقصود خُدا کا یاد کرنا ہے۔

آج کے دور میں اگر ہم دیکھیں تو صوفیہ خام کا یہی شعار ہے۔ چنانچہ باقی پہلوؤں کی طرح معاشرے کے اس پہلو پر بھی شاہ صاحب کی راہنمائی سے استفادہ کرنا چاہیے۔ شاہ صاحب نے صوفیہ کو تنبیہ کی کہ اُن کی کوششوں اور عبادتوں کے مرکز کیوں تبدیل ہو گئے ہیں اور دین داری کی بجائے دنیاداری کو کیوں اختیار کر لیا ہے۔ اپنے اعتقاد کو درست رکھ کر صحیح مذہبی جدوجہد کی طرف آؤ۔ لوگوں کا یہ اعتقاد بن چکا تھا کہ بس کسی مرشد کامل کے بیعت ہو جاؤ تو نجات کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ شاہ صاحب نے لوگوں کے اس عقیدے پر کاری ضرب لگائی اور بتلایا کہ نجات کا معاملہ عمل صالح پر ہی موقوف ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ [18]

ترجمہ: زمانے کی قسم انسان خسارے میں ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائے اور اعمال صالح کرتے رہے اور حق کی تلقین اور صبر کی نصیحت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے امور میں حکمتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: "سالک را باید کہ ھر فعل ایزو تعالیٰ را عین حکمت پندارد اگرچہ بر آں اطلاع نداشتہ باشد وبروئے اعتراض نکند وھر کہ اعتراض کند فھو مردود فی الدارین [19]" یعنی سالک کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل عین حکمت جانے اگر وہ اس حکمت سے واقف نہ ہو مگر اس پر معترض نہ ہو کیونکہ جس نے اعتراض کیا وہ دارین میں مردود ہو گیا"

امراء سے لاتعلقی :

امراء اور دنیاداری سے بے تعلقی کے معاملے میں شاہ صاحب اپنی مثال آپ تھے۔ اسی بنیاد پر اُن کا لقب سلطان التارکین ہے کہ آپ دنیا سے بے رغبت اور دنیاداروں سے بے تعلق رہے۔ اُن کا موقف یہ تھا کہ دنیاداراں کی صحبت سے دل مُردہ ہو جاتے ہیں۔

سالک را باید کہ از صحبت اهل دنیا دور باشد کہ قریب ایشاں ہلاکت جاں است۔[20]

ترجمہ:　سالک کو چاہیے کہ اہل دنیا کی صحبت سے دور رہے کیونکہ ان کے قرب میں ہلاکت جاں ہے۔

فرمایا کہ: صحبت الاغنیاء تمیت القلب ولو کانت ساعۃ "یعنی اہل دنیا کی صحبت چاہے ایک لمحے کی ہی کیوں نہ ہو دل کو مُردہ کر دیتی ہے۔"

شاہ صاحب بہت واضح موقف کے حامل تھے کہ دنیادار لوگ سفید چشم اور بے وفا ہوتے ہیں۔ جن کو کوئی غرض ہو تو صوفیہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جب غرض ختم ہو جائے تو پھر متوجہ ہی نہیں ہوتے۔ چنانچہ نواب عبد الجبار خان نے درویشوں کے خرچ کے لیے جاگیر پیش کی تو آپ نے قبول نہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اللہ کا مہمان ہو کر زندگی بسر کرنی چاہیے اور دنیا سے بے رغبت ہو کر توجہ خدمت دین کی طرف مرکوز کرنی چاہیے حُب دُنیا سے پرہیز کرنے کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ سالک کو دنیا کی چند چیزوں کے بغیر چارہ نہیں اور ان کو صوفیہ کرام دُنیا میں شمار نہیں کرتے بلکہ امور دینیہ میں شامل کرتے ہیں۔ چنانچہ غذا جو عبادت کے لیے ضروری ہے، کپڑا جو ستر چھپانے میں مددگار ہو اور پانی جو بقائے حیات کے لیے ہو اور مسکن جو عبادت کے لیے درکار ہو اور علم برائے عمل وہ چیزیں ہیں جو دنیا میں شمار نہیں کی جاتیں۔ انہیں نظریات کی بناء پر آپ کا لقب سلطان التارکین ہے۔ دنیا سے بے رغبتی سے اُن کی مُراد گوشہ نشینی یا رہبانیت نہیں تھی۔ وہ رہبانیت اور دنیاداری میں اعتدال رکھتے ہوئے مذہب اسلام کا اصل نظریہ پیش کرتے ہیں۔ دنیا کو ترک کرنے سے مُراد حُب جاہ و حشمت اور حب دنیا کو دل سے نکال پھینکنا ہے۔ اور بالکل رہبانیت بھی اختیار کرنا اس کا مقصد نہیں کہ دین کی اصل حسن معاشرت سے ہے۔ معاشرے میں رہتے ہوئے دنیاوی غرض وغایت سے اجتناب کر کے ایثار کے اصول کو اپناتے ہوئے دوسروں کی خدمت کے ساتھ ساتھ اپنی ضروریات زندگی کو محض پورا رکھتے ہوئے راجع الی اللہ ہو جانا اصل طریقت و شریعت ہے۔ اور شاہ صاحب کے ملفوظات میں جابجا اسی اعتدال کی طرف راہنمائی ملتی ہے۔ عصر حاضر میں اگر دیکھا جائے تو شاہ صاحب کی اس فکر کو ترویج دینے کی ضرورت ہے کہ ایک طرف تصوف صرف رہبانیت کا نام رہ گیا ہے اور دوسری طرف صوفیہ خام تصوف و طریقت کے نام پر دنیاداری کی طرف راجع ہو چکے ہیں۔ یہی خانقاہ کہ جس کے بانی سلطان التارکین ہیں انہیں کی خانقاہ پر آج بہت سے لوگ محض دنیاوی جاہ و حشمت کے لیے خانقاہ سجائے بیٹھے ہیں۔ بقول اقبال: نکل کر خانقاھوں سے ادا کر رسم شبیریؓ

شاہ صاحب کی تمام معاملات زندگی میں راہنمائی کی ترجمانی یوں کی جا سکتی ہے کہ:

گر کوئی شعیب آئے میسر　　　　شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

بین المذاہب ہم آہنگی:

سلسلہ چشتیہ کے بانیان و دیگر صوفیہ کی طرح شاہ صاحب بھی اس معاملے میں وسیع الخیال نظر آتے ہیں۔ چنانچہ وہ بھی اس بات کے قائل تھے کہ ہندوؤں کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھے جائیں اور یہ اس صورت ممکن ہے کہ انہیں دین حق کی راہ دکھائی جا سکے۔ آپ اپنے

مریدین کو فرماتے کہ اپنے مذہب پر پوری طرح سے کاربند رہو اور دوسرے مذہب کے لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک رکھو البتہ کسی مشرک کے ہاتھ کا ذبیحہ نہ کھاؤ۔"سالک را باید کہ ھیچ کس را رنج ندھد بلکہ ہمہ مخلوق صلح کند۔"[21]"یعنی سالک کو چاہیے کہ کسی کو رنج نہ دے بلکہ ساری مخلوق سے صلح رکھے۔"

مزید فرمایا کہ ": در طرق ماھست کہ با مسلمان وھنود صلح باید داشت۔"[22]"یعنی ہمارے طریقہ میں ہے کہ ہندو اور مسلمان سے صلح رکھی جائے۔"

بین المذاہب ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ جس چیز سے شاہ صاحب نے اجتناب کرنے کی تلقین فرمائی وہ بدعقیدہ کی صحبت ہے۔ چنانچہ روافض و معتزلہ کے ساتھ رسم و رواج اور دوستی رکھنے سے منع فرماتے۔ فرماتے کہ حضرت بہاؤ الدینؒ زکریا اپنے بیٹے کو ایسی کتابیں بھی نہ پڑھنے دیتے تھے کہ جن میں سے کسی کتاب کا مصنف معتزلی یا روافض میں سے ہو۔"سالک را باید کہ از صحبت بد مذھباں خود را دور دارد۔"[23]"یعنی سالک کو چاہیے کے بد مذہبوں کی صحبت سے خود کو دور رکھے"۔ پھر تصریحاً فرماتے ہیں کہ چاہے ان کی صحبت سے ظاہری و دنیاوی فائدہ ہی کیوں نہ ہو۔ ہرگز ان سے میل جول نہ رکھے بلکہ بھوکا ننگا رہنا ان کی صحبت سے بہتر ہے۔

غیر مسلم حکومت میں شاہ صاحب کا طرزِ عمل:

شاہ صاحب کے دور میں عیسائی برطانوی اقتدار کے ذریعے اپنے مذہب کا پرچار کر رہے تھے۔ چنانچہ ظاہری دنیاوی فائدے کو دیکھ کر زمینوں جائیدادوں اور نوکریوں کے لالچ میں بہت سی مسلمان قومیں برطانوی راج کے اس مشن میں عیسائیوں کا آلہ کار بنے ہوئے تھے۔ شاہ صاحب کو جب عیسائی مشنریوں کے اِن ہنگاموں کی خبر ہوئی تو سخت رنجیدہ ہوئے اور فرمانے لگے کہ:

بسیار مسلماناں وافرنگیاں از دین محمدی ﷺ گردانیدہ از ایمان خارج کردہ اند کہ ایشاں دین مسیحا از جہت صحبت اختیار کردہ اند۔[24]

ترجمہ: بہت سے مسلمانوں کو فرنگیوں نے دین محمدی ﷺ سے گمراہ کر دیا ہے اور ایمان سے خارج کر دیا ہے۔ انہوں نے مسیحی صحبت دنیاوی غرض سے اختیار کر لی ہے۔

چنانچہ آپ اپنے مریدین کو انگریز حکومت میں سرکاری نوکری سے بھی منع فرماتے تھے وہ اپنے مریدین سے فرماتے تھے کہ انگریز سرکار کی نوکری میں پڑ کر فرشتہ بھی شیطان ہو جاتا ہے کہ وہ اُسی حاکم جابر کے حکم پر اپنے بھائی کا خون کرتا ہے اور اُسی کے حق پر ڈاکہ زنی کرتا ہے۔ لہٰذا سرکاری معاملات سے دوری بہتر ہے۔"اگر فرشتہ باشد چوں در معاملہ سرکار افتد دیو شد"[25]۔"یعنی اگر فرشتہ بھی معاملہ سرکار میں جائے تو شیطان ہو جاتا ہے۔"

لیکن حاکم وقت کے حق میں بددعا کرنے سے منع فرماتے تھے کہ حاکم وقت خواہ کوئی بھی ہو اُس کے لیے بددعا نہ کرو۔ بلکہ اصلاح کی دعا کرو کہ اس میں خلق خُدا کی خیر ہے۔ مگر خود حکومت کے بارے میں اُن کا یہی فرمان تھا کہ:

الیس الہہ باحکم الحکمین۔[26]"کیا اللہ احکم الحاکمین نہیں ہے؟"

ظالم و جابر حکمران کے مسلط ہو جانے کے متعلق شاہ صاحب کا نظریہ یہ تھا کہ ایسا صرف ہماری بداعمالیوں کا نتیجہ ہے کہ ہم پر ظالم و جابر

حکمران کا تسلط ہو جائے۔ اس کے علاوہ وہ حاکم وقت کے خلاف غیر ضروری بد امنی اور ہنگامہ آرائی سے سختی سے منع فرماتے تھے۔ اور سماجی رویوں کی اصلاح کا یہ وہ اہم اصول ہے کہ جو موجودہ حالات میں راہنمائی کرتا ہے کہ دہشت گردی اور دیگر فسادات سے رُکا جائے کیونکہ آخر کار اس کا نتیجہ ملک وملت کا نقصان ہے۔

اصلاحِ تصوف میں خدمات

شاہ صاحب کے ہاں ایک خاص وقت قوالی کے لیے بھی مخصوص تھا۔ لیکن آپ سماع میں شاہ کلیم اللہ دہلوی اور بعد ازاں خواجہ مہارویؒ کے اصولوں کی متابعت کرتے۔[27]

تحفظ وصیانت وعقیدہ۔ اتباعِ سنت کی ترغیب:

شاہ سلیمان تونسویؒ بدعات کے معاملے میں سخت رویہ اختیار فرماتے اور سنتِ رسول ﷺ کی تلقین کرتے۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ:

هر جا بدعت وبازی شد خلق بسیار جمع شود وهر جا که کار نیک باشُد خلق کم رود۔[28]

ترجمہ: ہر وہ جگہ جہاں بدعت و کھیل تماشا ہوتا ہے بے شمار لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور ہر وہ جگہ کہ جہاں نیک کام ہوتا ہے وہاں بہت کم لوگ آتے ہیں۔

چنانچہ آپؒ نے احیائے سنت کا کام اس طرح سے کیا کہ ایک شخص نے بخارا اور تونسہ کو دین داری میں ہم پلہ بیان کیا۔

من ملک خراسان وهندوستان را دیده ام که هیچ جا دین داری نیست مثل بخارا و دیگر در تونسه مبارک که از سبب برکت آں صاحب بسیار دیں دار یست۔[29]

ترجمہ: میں نے ملک خراسان اور ہندوستان کو دیکھا ہے کہیں ایسی دین داری نہیں۔ جیسے کہ بخارا اور تونسہ مبارک میں ہے۔ اور تونسہ میں آں صاحب یعنی شاہ سلیمانؒ کے سبب برکت سے بہت سے لوگ دین دار ہیں۔

تونسہ کی عوام کی یہ حالت تھی کہ لوگ ارکان اسلام سے نابلد تھے۔ بہانے کر کے فرائض سے رخصت جاہلانہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ لوگوں کی یہ ابتر حالت دیکھ کر شاہ صاحب رنجیدہ ہوتے اور جگہ جگہ ملفوظات میں غم وغصہ اور رنج والم کا اظہار کرتے۔ حتی کہ یہاں تک فرمایا کہ اس ابتر زمانے میں جو شخص پانچ وقت نماز پڑھتا ہے وہ ولی ہے۔

دریں زمانہ نماز پنج وقتہ باجماعت بخواند او ولی است۔[30]

ترجمہ: اس زمانے میں پانچ وقت نماز باجماعت ادا کرنے والا ولایت کے درجہ پر ہے۔

اتباعِ سنت کے حوالے سے قرآن مجید سے استشہاد کرتے ہوئے درج ذیل آیت پر تلقین اتباعِ سنت بیان کرتے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ[31]

ترجمہ: اے محبوب! تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمھیں دوست رکھے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا۔

چنانچہ اسی آیت سے استدلال لیتے ہوئے آپ کا فرمان ہے کہ :"ھر کہ خواھد مقبول و محبوب حق گردد باید در متابعت ظاہراً او باطناً کوشش نماید چنانچہ نفس دریں باب وارداست۔ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ "[32]۔"یعنی ہر وہ شخص جو چاہتا ہے کہ خود اللہ کا مقبول و محبوب بندہ بن جائے اُسے چاہیے کہ ظاہر و باطن میں شریعت کی متابعت کرے۔ چنانچہ اس ضمن میں فرمایا گیا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تم کو محبت ملے تو پس میری (رسول ﷺ کی) اتباع کرو اللہ پاک تم سے محبت کرے گا" ۔ایک جگہ اتباعِ سنت و شریعت کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ سالک اگر ایک کام بھی خلاف شرع کرے تو اس کام کے نتیجے میں ولایت کے درجے سے نیچے پھینک دیا جاتا ہے۔

یک فعل غیر مشروع بندہ را از مرتبہ ولایت بیگفند۔[33]

ترجمہ: ایک غیر شرعی فعل بندہ کو مرتبہ ولایت سے نیچے پھینک دیتا ہے۔

شاہ سلیمان تونسویؒ امت کی اس زمانہ میں زبوں حالی کی وجہ بھی سنت سے فرار اور بدعت کو اختیار کرنا فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:"دریں زمانہ چوں مسلمانان متابعت نبی صاحب ﷺ گذاشتہ اند حق تعالیٰ کفار را برایسو مسلط کردہ است۔"[34]

ترجمہ: چونکہ اس زمانہ میں مسلمانوں نے متابعت رسول ﷺ کو چھوڑ دیا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر کفار مسلط کر دیا ہے

اصلاح خلق میں شاہ صاحب کی خدمات:

مسلمان اس وقت سیاسی زوال و انحطاط کی وجہ سے افکار و عمل اور عادات و اطوار کے زوال کا بھی شکار تھے۔ اور یہ اخلاقی زوال، سیاسی زوال سے کہیں زیادہ مہلک تھا۔ شاہ صاحب نے اپنی بصیرت خُداوندی سے اس انحطاط کو جانا وار سیاسی زوال کے پیچھے فکری اور اخلاقی زوال کی خطرناک بیماری کو بھانپا۔ چنانچہ احوال و اخلاق کی بہتری کے لیے کوشاں رہے اور جہاں بھی وعظ و نصیحت فرماتے یا تبلیغ کے لیے اپنے خلفاء کو بھیجتے ان کو اخلاق حسنہ کی تلقین کرتے۔ جابجا آپ کے ملفوظات میں اخلاقی درس اور اصلاح خلق کے نمونے نظر آتے ہیں جن کی چند ایک مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

آدمی کم موجود شوند کہ اکثر صورت آدمی دارند و خصائل آدمی ندارند، آدمیت عبارت از خوب خصال و حمید افعال است۔[35]

ترجمہ: آدمی کم موجود ہیں اکثر صرف ظاہری صورت میں آدمی ہیں۔ جب کہ عادات و خصائل میں آدمیت کے درجے پر نہیں۔ چنانچہ آدمیت اوصاف حمیدہ اور خصائل حسنہ سے عبارت ہے۔

اسی طرح صحبت بد سے بچنے کی ہدایت فرماتے:

صحبتِ صالح را صالح کند صحبتِ طالح را طالح کند[36]

ترجمہ: صالح کی صحبت صالح بناتی ہے اور بد کی صحبت بد بناتی ہے۔

اپنے ملفوظات میں جگہ جگہ اخلاق رذیلہ کی مذمت فرماتے اور جگہ جگہ کبر، حسد، بغض، شراب خوری، اور رشوت خوری سے بچنے کی تلقین فرماتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

ھر کہ خود را از ہمہ کس کم داند و مقبول و محبوبِ حق تعالیٰ باشد[37]

ترجمہ: خدا کی نظر میں اگر مقبول و محبوب بننا چاہتے ہو تو ہر ایک کو اپنے آپ سے بہتر سمجھو اور اپنے آپ کو ہر ایک سے کم تر گردانو۔

حسن معاشرت کے اصولوں میں لوگوں کی یوں تربیت فرماتے:"سالک را باید کہ ہمہ خلق راچہ شریف وچہ خسیس بہ شفقت ورحمت ناظر باشد تا حق تعالیٰ بروئے رحمت کند"[38]۔"یعنی سالک ہر شخص کو چاہے وہ شریف ہو یا نہیں، اس کے ساتھ شفقت کا اور رحمت کا معاملہ رکھے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی رحمت کی لپیٹ میں لے لے گا۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں سب سے پہلا درجہ اسی اصول کا ہے۔"

چنانچہ حسد سے بچنے کی تلقین یوں فرماتے ہیں کہ:

گل توحید نہ روید بہ زمینے کہ درد خار شرک وحسد و کبر وریا است۔[39]

" ترجمہ: جس زمین میں شرک، حسد اور ریا کے خار یعنی کانٹے موجود ہوں وہاں توحید کا پھول نہیں کھل سکتا۔

عیب جوئی سے بچنے کی تلقین یوں کرتے ہیں کہ:

سالک را باید کہ بہ سبب بنی خویش از عیب خلق چشم بہ بند د کہ عین سعادت ورضامندی حق تعالیٰ دراین مندرج است۔[40]

ترجمہ: سالک کو حق تعالیٰ کی رضامندی اور سعادت مخلوق کی عیب جوئی سے آنکھیں بند کر لینے سے نصیب ہوتی ہے۔

اصول تجارت کی بابت فرماتے ہیں کہ:

اگر کسے سوداگر دانہ گندم کند بریں نیت کہ غلہ رابہ قیمت گراں خواہم فروخت ایں امر در شریعت ممنوع است۔[41]

ترجمہ: اگر کوئی شخص گندم کو اس نیت پر خریدے کہ وہ اس کو ذخیرہ کر کے گراں قیمت پر بیچے گا تو یہ امر شریعت مطہرہ میں ممنوع ہے۔

سالک کو اعمال صالحہ پر مداومت اختیار کرنے کی تلقین فرمائے۔

سالک را باید کہ در اعمال صالحہ مداومت نماید۔[42]

ترجمہ: سالک کو ہر حالت میں اعمال صالحہ پر مداومت اختیار کرنی چاہیے۔

پھر فرماتے ہیں کہ:"کار ما بہ بداں ہم نیکی کردن است"[43]۔"یعنی میرا کام اپنے بدن سے ہمہ وقت نیکی کرنا ہے۔"

شاہ صاحب کی نظر بالغ اس بات کو بخوبی دیکھ چکی تھی کہ لوگوں میں ادب شیخ و شعائر اسلامی کم ہوتا جا رہا ہے لہٰذا ادب کی تلقین فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

از خُدا خواھم توفیق ادب بے ادب محروم ماند از فضل رب[44]

سیاسی زوال و انحطاط کے سبب مسلم معاشرہ اٹھارہویں صدی میں اخلاقی زوال پذیری کا شکار ہو گیا۔ چنانچہ شاہ صاحب نے ایک ایک سماجی بیماری کو نکالا اور اصلاح معاشرہ کی طرف قدم بڑھایا۔ چنانچہ گھر کی چار دیواری سے لے کر معاشرے کی ہر جہت میں بُرائیاں پھیل چکی تھیں۔ نافع السالکین میں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں جو کہ ان برائیوں کا احوال دیتے ہیں اور شاہ صاحب کی خدمات کو واضح کرتے ہیں، ذیل میں اس کی

مثالیں دی جاتی ہیں۔ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاظر ہوا اور عرض کی کہ حضرت میرے عیال واطفال مجھے گالیاں دیتے ہیں اور میری خدمت نہیں کرتے۔ شاہ صاحب نہایت زیرک انسان تھے۔ انسانی نفسیات سے خوب واقف تھے سو اُسے تو یہ کہہ کر تسلی دے دی کہ اللہ پر بھروسہ کرو لیکن بعد میں متعدد مقامات پر وعظ ونصیحت کے دوران یہ فرمایا کرتے تھے کہ:

از علامات قیامت است کہ پسر با پدر جنگ و نزاع باشد۔[45]

ترجمہ: یہ علاماتِ قیامت میں سے ہے کہ بیٹا باپ سے جھگڑا کرے گا۔

شاہ صاحب نے بہت سی سماجی بیماریوں کی مذمت فرمائی اور ان کی اصلاح کے لیے ہمہ تن گوش رہتے۔ چنانچہ رشوت ستانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں قاضی صاحب نسبت ہوتے تھے اب رشوت خور ہوتے ہیں۔ اور یہ ایک ایسی بیماری ہے جو جہنم میں لے جانے والی ہے اور ہلاکت کا باعث ہے۔ اسی طرح حرام خوری کی مذمت میں فرماتے ہیں کہ:

ہر کہ حرام خورد، رزق او تنگ شود و عاجز باشد چنانچہ دزداں ہمیشہ خوار باشند۔[46]

ترجمہ: جو کوئی حرام کھاتا ہے اس کا رزق تنگ ہو جاتا ہے اور وہ عاجز ہو جاتا ہے چنانچہ چور ہمیشہ خوار ہوتا ہے۔

اہل کاروں کی مذمت میں فرماتے ہیں کہ ہر اہل کار پہلے آنے والے سے بدتر ہوتا ہے۔ اسی طرح شراب نوشی کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی نفس پر شیطان کو غلبہ دیتا ہے تو وہ شراب نوشی کرنے لگتا ہے۔

سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں پنجاب کی سماجی صورتِ حال کچھ اس طرح سے تھی کہ سماج میں بدامنی کا دور دورہ تھا چنانچہ سکھ اور دیگر اقوام عوام الناس پر مظالم ڈھانے سے بھی باز نہیں آتے تھے۔ معاشرے میں دوسری برائیاں تو موجود تھیں ہی لیکن داخلی خانہ جنگی اپنے عروج پر تھی ایسی صورتِ حال میں دیگر سماجی برائیوں کو ختم کرنے سے پہلے اس خانہ جنگی کا خاتمہ ضروری تھا چنانچہ صوفیہ میں سے حافظ جمال اللہ ملتانی میدان جہاد میں اُترتے ہیں اور اپنی دفاعی صلاحیتوں کے ساتھ سینہ سپر ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اُن کے علاقے میں بیرونی طاقتیں داخل نہ ہو سکیں۔ پنجاب میں اس دور میں دوسرا سماجی رویہ جاگیر دارانہ نظام کا تھا اس نظام کے تحت ایک طبقاتی تفاوت پایا جاتا تھا۔ جاگیر دار طبقہ یہ سمجھتا تھا کہ ہم دھن دولت کی بنیاد پر کوئی بھی کام سر انجام دے سکتے ہیں اس رویے کے خاتمے کے لیے تمام صوفیائے چشت نے اپنا کردار ادا کیا لیکن شاہ سلیمان تونسویؒ نے امراء کی اصلاح پر بہت زور دیا۔ حُب دُنیا اور جاہ و حشمت کو ترک کر کے ہمیشہ فقر و غناء کا سبق دیا اور خود بھی اِس پر یوں عمل پیرا ہوئے کہ آپ کا لقب سلطان التارکین مشہور ہوا۔ رفاہِ عامہ کے حوالے سے اِس دور میں پنجاب میں صوفیہ کی بہت زیادہ خدمات ہیں چنانچہ خواجہ محمد عاقل اور خواجہ سلیمان تونسوی کے لنگر خانے بڑے پیمانے پر ویلفیئر ٹرسٹ کا نقشہ دیتے ہیں جہاں لوگوں کے لیے مفت تعلیم کے ساتھ ساتھ کھانے پینے اور رہنے کا مفت انتظام بھی موجود تھا۔ دوسری طرف اگر خواجہ نور محمد مہاروی کو دیکھا جائے تو وہ بھی اتباعِ سنت کی تلقین کرتے ہوئے فقہ اور حدیث کی تعلیم کی ترغیب میں مصروفِ عمل نظر آتے ہیں چنانچہ احادیث کے ضعیف اور موضوع ہونے کے حوالے سے اکثر جگہوں پر اُن کے ملفوظات میں علوم الحدیث کے اُصول ملتے ہیں اور فقہی احکامات کو مرتب کرنے کے حوالے سے فقہ حنفی کی بنیادی کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اسی طرح خواجہ شاہ سلیمان تونسوی اپنے ٹرسٹ میں جو نظامِ تعلیم مرتب کرتے ہیں اُس کا نصاب عصری اور قدیم

دونوں علوم کو یکجا کر دیتا ہے۔ اس طرح سے جو بھی شخص اُن کی درس گاہ سے نکل کر معاشرے میں رسم شبیری ادا کرتا ہے وہ جامع المعقول والمنقول نظر آتا ہے اور عصرِ حاضر کے تمام تر تقاصوں کو سامنے رکھتے ہوئے میدانِ عمل میں مصروف نظر آتا ہے۔

حوالہ جات

---

[1] بلوچی مولوی اللہ بخش، خاتم سلیمانی، لاہور: خادم التعلیم اسٹیم پریس، 1325ھ، ص9

[2] امام الدین، مولانا، نافع السالکین، ملفوظاتِ خواجہ سلیمان تونسوی، لاہور: ضیاء القرآن پبلشرز، ص41

[3] جمالی، اللہ بخش، سیرت سلیمان، ملتان: مکتبۃ الجمال، 2014ء، ص12

[4] خاتم سلیمانی، ص26

[5] نافع السالکین، ص32

[6] سیرت سلیمان، ص32

[7] ایضاً، ص113

[8] خاتم سلیمانی، ص160

[9] ایضاً، ص148

[10] نافع السالکین، ص22

[11] ایضاً، ص20

[12] ایضاً، ص22

[13] ایضاً، ص122

[14] فاطر:28

[15] نافع السالکین، ص135

[16] ایضاً، ص50

[17] ایضاً، ص25

[18] العصر:1-3

[19] نافع السالکین، ص58

[20] ایضاً، ص28

[21] ایضاً، ص155

[22] ایضاً، ص176

[23] ایضاً، ص162

[24] ایضاً، ص16

[25] ایضاً، ص6

[26] التین:8

[27]سرسید احمد خان، آثار الصنادید، مطبوعہ دہلی:1956ء، ص76

[28]نافع السالکین، ص112

[29]ایضاً، ص170

[30]ایضاً، ص168

[31]آل عمران:31

[32]نافع السالکین، ص155

[33]ایضاً، ص128

[34]ایضاً، ص158، 106

[35]ایضاً، ص109

[36]ایضاً، ص7

[37]ایضاً، ص25

[38]ایضاً، ص22

[39]ایضاً، ص29

[40]ایضاً، ص43

[41]ایضاً، ص158

[42]ایضاً، ص62

[43]ایضاً، ص119

[44]ایضاً، ص114

[45]ایضاً، ص117

[46]ایضاً، ص61